October 2026

ماہنامہ

رائے بریلی

پیام عرفات

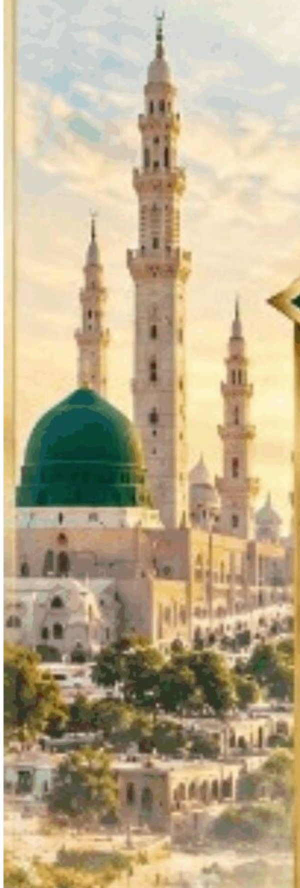

ہمارا پیغام

”انسانیت کی کشتی گرداب میں ہے، اس پر نسل انسانی کا صدیوں کا قیمتی سرمایہ ہے، تہذیب وثقافت، ادب ولٹریچر، علوم وفنون سب خطرے میں ہیں، کشتی غرقاب ہوگی تو کچھ بھی نہیں بچے گا، ڈوبنے والے بحری جہازوں اور حادثہ کا شکار ہونے والے ہوائی جہازوں میں پڑھے لکھے اور قابل لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی لقمہ اجل بن جاتے ہیں، بھنور میں پھنسی ہوئی انسانیت کی کشتی کو بچانے کی ضرورت ہے، ہمارا یہی پیغام ہے۔“

(انسانیت کی مسیحائی: ۸۳)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

دعوت واصلاح کا طریقہ کیا ہو؟!

حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

''اسلام دین دعوت ہے اور دعوت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ مخاطب کا احترام ملحوظ رکھا جائے، ماحول اور صورت حال کی رعایت کی جائے، داعی کو اپنے پیغام پر پورا یقین ہو اور انداز تخاطب مخاطب کے فہم کے مطابق ہو اور اس سے دوستی اور اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اس لیے کہ سختی، نفرت اور عداوت کے ماحول میں دعوت کا عمل کارگر نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے قرآن میں جگہ جگہ پر مسلمانوں کو صبر، دوسروں کے مذہب اور ان کے جذبات کے احترام اور دشمنی وعداوت سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ﴾(الکہف: ۲۸)

(اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گذر کر اور طرف) نہ دوڑیں۔)

﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيْلاً﴾(المزمل: ۱۰)

(اور جو دل آزار باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور ان سے اچھے طریقہ سے کنارہ کش رہو۔)

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾(المائدۃ: ۸)

(اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف کو چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہ پرہیزگاری کی بات ہے۔)

گذشتہ عہد میں اسلامی عمل کے میدان کا یہ المیہ تھا کہ دعوت کے لیے اور ملکی معاملات کے سلسلہ میں سیاسی انداز اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے حکام، غیر اسلامی ماحول میں تعلیم پانے والوں اور خارجی دنیا کے دشمنوں سے ٹکراؤ پیدا ہوگیا، حالانکہ وہی دعوتی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے جسے ہمارے اسلاف نے اختیار کر کے دلوں کو فتح کرلیا تھا بلکہ پوری دنیا پر حکمرانی کی اور وہ طریقہ موعظہ حسنہ، حسن اخلاق، نرمی، محبت، رواداری اور انسانی غم خواری کا طریقہ ہے۔

موجودہ صورت حال میں دعوت واصلاح کے میدان میں طریقہ کار بدلنے کی ضرورت ہے اور جب مخاطب، ماحول اور وقت کے تقاضوں کی رعایت کے ساتھ مؤثر طریقہ کار اختیار کرے گا تو دشمن بھی دوست بن جائیں گے، اسلامی تاریخ میں اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ☆وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾(فصلت: ۳۴-۳۵)

(سخت کلامی کا ایسے طریقہ سے جواب دو جو بہت اچھا ہو، ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے اور یہ انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔)''

(دعوت اسلامی؛ مسائل، اندیشے اور تقاضے: ۸۰-۸۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیامِ عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۸ — اکتوبر ۲۰۲۶ء - ربیع الثانی ۱۴۴۸ھ — شمارہ: ۱۰

خیر کے کاموں کی برکت

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”طُوبیٰ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيحَ الْخَيرِ علىٰ يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيحَ الشَّرِّ علىٰ يَدَيْهِ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(قابل مبارک باد ہے وہ شخص جس کے ہاتھوں اللہ تبارک وتعالیٰ بھلائی کے دروازے کھولے اور ہلاکت وتباہی ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھوں اللہ تبارک وتعالیٰ برائی کے دروازے کھولے۔)

(سنن ابن ماجة: ۲۳۷)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس،اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

پیام انسانیت کا پیغام (اداریہ)...................................۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی..
تقویٰ کیا ہے؟...۴
بلال عبدالحی حسنی ندوی..
حضانت (بچوں کے حق پرورش) کے مسائل..................۶
مفتی راشد حسین ندوی...
حضرات انبیاء علیہم السلام اور دعوتِ انسانیت...............۸
عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی...
راہیں دوزخ کی، آرزو جنت کی....................................۱۰
مولانا محمد ناصر ندوی پرتاب گڑھی...................................
اِیون ریڈلی (Yvonne Ridley) کا قبولِ اسلام........۱۲
محمد مکی حسنی ندوی...
الحاد کا طوفان، اسباب اور علاج.................................۱۴
محمد نجم الدین ندوی...
انسان قرآن کریم کی نظر میں.....................................۱۶
ابوالحسن علی حسنی...
دل کی سختی کا علاج...۱۸
سیف الدین فیضی ندوی..
اخلاص واخلاق کا عدم توازن.....................................۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی..

......جو ہو عزم سفر پیدا

جناب اقبال سہیل اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

اسیروں میں بھی ہو جائیں جو کچھ آشفتہ سر پیدا
ابھی دیوار زنداں میں ہوا جاتا ہے در پیدا
کیے ہیں چاک دل سے بوئے گل نے بال و پر پیدا
ہوس ہے زندگانی کی تو ذوق مرگ کر پیدا
یہ مشت خاک اگر کر لے پر و بال نظر پیدا
تو اوج لامکاں تک ہوں ہزاروں رہ گزر پیدا
جمال دوست پنہاں پردۂ شمس و قمر پیدا
یہی پردے تو کرتے ہیں تقاضائے نظر پیدا
محبت تیرے صدقے تو نے کر دی وہ نظر پیدا
جدھر آنکھیں اٹھیں ہوتا ہے حسن جلوہ گر پیدا
شب غم اب منائے خیر اپنے جیب و دامن کی
رہے دست جنوں باقی تو کر لیں گے سحر پیدا
مذاق سر بلندی ہو تو پھر دیر و حرم کیسے
جبیں سائی کی فطرت نے کیے ہیں سنگ در پیدا
نثار اس لن ترانی کے یہ کیا کم ہے شرف اس کا
دل خوددار نے کر لی نگاہ خود نگر پیدا
جوانو! یہ صدائیں آ رہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جائیں جو ہو عزم سفر پیدا
وہ شبنم کا سکوں ہو یا کہ پروانے کی بے تابی
اگر اڑنے کی دھن ہوگی تو ہوں گے بال و پر پیدا
سہیلؔ اب پوچھنا ہے انقلاب آسمانی سے
ہماری شام غم کی بھی کبھی ہوگی سحر پیدا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پیام انسانیت کا پیغام

پیام انسانیت کی محنت کا اصل مقصد انسانوں کو انسانیت کا سبق یاد دلانا ہے، آج ہم اپنے آپ کو اور اپنی ذمہ داریوں کو اس طرح بھول گئے کہ ہم خود اپنے آپ میں الجھ کر رہ گئے، ہمیں یہ خیال نہیں رہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں کیوں بھیجا تھا؟ اگر ہمیں صرف یہی ایک بنیاد سمجھ میں آجائے تو پھر اس کے اوپر مضبوط سے مضبوط عمارت بنانا آسان ہے لیکن ہم اس بنیاد ہی کو فراموش کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، ہمیں یہ خیال ہی نہیں کہ پانی کہاں مر رہا ہے؟ اگر کوئی خوبصورت عمارت یا کمرہ ہے اور آپ نے اس میں خوب رنگ وروغن کر لیا لیکن اس میں جہاں سے پانی مر رہا ہے، وہ جگہ آپ کے علم میں نہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ ہی عرصہ میں وہ دوبارہ خراب ہو جائے گا اور پانی کے قطرات آنے لگیں گے، ظاہر ہے جب تک وہ منفذ بند نہیں ہوگا اس وقت تک ساری محنتیں نقش بر آب ثابت ہوں گی۔

اس وقت واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی قومیں بڑی پریشانیوں اور الجھنوں کا شکار ہیں، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بڑی بڑی عمارتوں میں رہتے ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ گاڑیوں میں گھومتے ہیں، ان کے پاس بڑی حکومتیں ہیں، ان کے پاس اسباب ہیں اور ہر طرح کے وسائل ہیں، ان کے پاس اعلیٰ جنگی ذرائع بھی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اندر انسانوں کا دل نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ وہ جانوروں کی زندگی گزارتے ہیں لیکن وہ انسان ہیں اور اللہ نے ان کے اندر ایک حس رکھی ہے، اس لیے جانوروں جیسی زندگی گزارنے کے بعد ان کے اندر بحیثیت انسان کے ایک بے چینی کا احساس پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ نے ان کے اندر دل ودماغ انسانوں ہی کا رکھا ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ ان کے علاج کا اگر کوئی ذریعہ تھا تو وہ علاج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا تھا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم دوسروں کی بیماریوں کا علاج تو کیا کرتے، آج ہم خود بیمار ہیں، ہم نے خود کو اپنی بداعمالیوں سے بیمار کر لیا، جبکہ نسخہ ہمارے پاس ہے، ہمارے آقا حضرت محمد عربی ﷺ نے ہمیں سجا سجایا دسترخوان دیا ہے، کون سی چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم پہلے مرحلہ میں اپنے آپ کو پہچانیں، ہم غور کریں کہ اللہ نے بحیثیت مسلمان ہمارے اوپر کیا ذمہ داری عائد کی ہے اور بحیثیت ایک آخری امت کے لیے اللہ ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آخری شریعت کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں دنیا کے اندر بسنے والے ایک ایک فردِ بشر کے لیے نجات کا سامان ہے، اگر غور کیا جائے تو دنیا کی نجات کا سامان بھی اللہ نے اسی شریعت میں رکھا ہے، الحمدللہ یہ شریعت ہمارے پاس ہے مگر افسوس کہ ہم اسے عملی زندگی میں اتارنے کے لیے تیار نہیں، جب اس نسخہ شفا کو ہم خود آزمانے کو تیار نہیں تو ہم دوسروں کے علاج کا انتظام کیا کر سکتے ہیں؟

اس وقت ہمیں اپنے اصل منصب کو پہچان کر میدان عمل میں آنے کی ضرورت ہے، ہمیں اسلام کے صحیح اخلاقی نظام، اجتماعی نظام اور معاشرتی نظام کو لوگوں کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ اللہ نے اسلام کو ایسا بنایا ہے کہ وہ خود بولتا ہے، وہ کہیں اور سے نہیں بلکہ ہماری زندگی سے بولتا ہے، اگر ہم اسلام کو اختیار کریں گے تو ہماری زندگی سے اسلام بولے گا، جس کو کہتے ہیں ''پھوٹنا''، جب بلب جلاؤ گے تو روشنی پھوٹے گی اور اگر سوئچ بند کر دو تو روشنی نہیں رہے گی، آج واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سارے سوئچ آف ہیں، ہمیں بس انہی سوئچ کو کھولنے کی ضرورت ہے، آج ہم اندر کے اصل کرنٹ سے محروم ہیں، اگر ہم سوئچ آن کر دیں تو آپ دیکھیں گے کہ کیسی روشنی پھیلتی ہے۔ آج اسی چیز کی ضرورت ہے اور یہی پیام انسانیت کا پیغام ہے کہ آدمی اپنی زندگی کو ایسا بنا لے کہ اللہ نے ہمیں جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا اور عالم انسانیت کے لیے ہمیں ایک ایسی روشنی دی کہ اگر ہم اس کے مطابق اپنی زندگی کو روشن کر لیتے تو دنیا کی تاریکیاں چھٹ جاتیں۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کی ایک بنیادی شرط:

"عن عطية بن عروة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يبلغ العبد أن يكون من المتقين حتى يدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس." (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب علامة التقوى: ٢٤٥١)

(حضرت عطیہ بن عروہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک متقی لوگوں میں شامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو بھی نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں، اس خوف سے کہ کہیں وہ ایسی چیز میں مبتلا نہ ہوجائے جس میں حرج ہے۔)

اس حدیث میں ایک اصولی بات بیان کی گئی ہے، آدمی جب اپنی زندگی میں احتیاط اختیار کرتا ہے اوران تمام چیزوں سے بچتا ہے جواس کوکسی غلط رخ کی طرف لے جاسکتی ہیں، یاان میں کچھ شبہ ہے، یاوہ جن میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن بہرحال اس میں کچھ نہ کچھ کھٹک سی محسوس ہوتی ہے، اگرکوئی آدمی اپنا مزاج تقویٰ کا بنالیتا ہے اوران چیزوں سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے جو ناجائز ہیں اوران میں باقاعدہ حرج ہے، یا جن کوصراحت سے حرام کہا گیا ہے تو پھراس کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ متقین میں شمار کیا جانے لگتا ہے۔

اس کے برعکس جولوگ ڈھک پر رہتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے تو پھر وہ آگے بڑھ کران چیزوں کواختیار کرلیتے ہیں جن میں حرج ہوتا ہے، جیسے حدیث میں مثال دی گئی ہے بادشاہ کی چراگاہ سے، اگرکوئی اس کے بارڈر تک اپنا جانور لے جاتا ہے تو وہ انہیں چراگاہ میں داخل ہونے سے روک نہیں پائے گا، یہ آسان کام نہیں ہے، اسی طرح جب آدمی اپنے نفس کو بےقابو کرلیتا ہے، تو خطرہ ہوتا ہے کہ ذراسی غفلت میں ایک قدم آگے بڑھ جائے گا، ظاہر ہے ایسی صورت میں آدمی اپنے آپ کونہیں بچاسکتا۔

آپ ﷺ نے یہ بات ارشادفرمائی کہ اگرتم تقویٰ کی صحیح زندگی حاصل کرنا چاہتے ہواورمتقین کی فہرست میں شامل ہونا چاہتے ہو، تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چیزوں میں حرج نہیں ہے ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے، ان چیزوں سے بچنے کے لیے جن میں حرج ہے۔

اگرآدمی اپنی زندگی کا جائزہ لے تو اس میں بڑی تفصیلات ہیں، اس کواندازہ ہوگا کہ ہم سے کہاں کہاں غلطی ہوتی ہے، زندگی کے ہرشعبہ میں ایسی بہت سی مثالیں ہمیں مل جائیں گی، تجارت وغیرہ میں لوگ مسائل معلوم کرتے ہیں، اس وقت بہت سی نئی نئی شکلیں سامنے آئی ہیں، جب تک اس میں مکمل یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز، تب تک محتاط رہنا چاہیے، اگر جائز ہے تو اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن جہاں شبہات ہیں اور جہاں بہت تردد کے ساتھ ہاں کہی جاتی ہے اور کچھ حرج سا معلوم ہوتا ہے تو آدمی سوچتا ہے کہ کم ازکم دس لاکھ کا فائدہ ہے' اب اگر کچھ حرج بھی ہے تو ہونے دو، کوئی بات نہیں۔ آدمی سوچتا ہے کہ اتنا تو چلتا ہے جب کہ یہ چیز خود اس کو چلتا کردیتی ہے، پھرآدمی اپنی جگہ پر نہیں رہتا، اس کی جو صحیح دینی زندگی ہے اور وہ جو تقویٰ کا مزاج بنانا چاہتا ہے، وہ مزاج نہیں بن سکتا، وہ غلط رخ کی طرف پڑ جائے گا۔

اگر دیکھا جائے تو عام طور سے یہ بات نظر آتی ہے کہ آدمی تدریج سے غلط کام کی طرف جاتا ہے، ایک آدمی دین دار ہے اور دیکھنے میں بھی اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن شروع میں وہ کچھ ایسی چیزوں کواختیار کرلیتا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے، اتنا تو چلتا ہے۔ جیسے آج کل بعض ڈرامے چل رہے ہیں اوران کو بھی دین کا نام دے دیا گیا ہے، اب لطیفہ یہ ہے کہ کہنے والوں نے یہ بات کہی کہ جولوگ فلمیں دیکھتے ہیں اورالٹے سیدھے ڈرامے دیکھتے ہیں، ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ یہ دیکھ لیں، لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ان ہی چیزوں میں سے ہے جن میں حرج ہے، اتنا ٹھیک ہے کہ بعض ڈراموں میں کچھ تاریخ بیان کردی

گئی لیکن اس کے ساتھ جو مفاسد ومنکرات لگے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے، اگر احتیاط نہیں برتی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے بھائی بابرکت اوقات میں بھی ذکر وتلاوت چھوڑ کر اسی لغو کام میں مست رہیں گے، ظاہر ہے ان ڈراموں میں بے پردہ تصاویر ہوتی ہیں اور میوزک وغیرہ تو ہوتا ہی ہے۔

ان ڈراموں کا ایک بڑا منکر یہ ہے کہ آدمی جس طرح تاش کھیلنا شروع کرتا ہے تو اس کو آس پاس کا ہوش نہیں رہتا، اس میں اس قدر انہماک پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کچھ یاد نہیں رہتا، میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کے ڈراموں میں بھی ایسا ہی انہماک پیدا ہوتا ہے، پتہ چلا کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا مگر ڈرامہ چلتا رہا اور نماز فوت ہوگئی۔ ظاہر ہے ایسے کام جو آدمی کے لیے خیر کے کاموں سے مانع بنے اور روکے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ایسے ڈراموں کا دیکھنا بھی ان ہی چیزوں میں سے ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''حرج ہے''، ایسے ڈراموں کے متعلق شروع میں یہ بات کہی گئی کہ وہ لوگ دیکھیں جو فلمیں دیکھ رہے ہیں لیکن وہ لوگ دیکھ رہے ہیں جو ماشاء اللہ بڑے دین دار سمجھے جاتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب آدمی ایک قدم بڑھاتا ہے تو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ایک قدم پھسل نہ جائے اور ایک قدم آگے نہ بڑھ جائے پھر خطرہ ہوتا ہے کہ وہ شخص کل فلمیں وغیرہ بھی دیکھنے لگے گا، اسی طرح دل کے اندر برائیاں پیدا ہوتی ہیں، ان ڈراموں کے اندر جو تصاویر سامنے آتی ہیں تو ان کو دیکھ کر انسان کا دل برائیوں کی طرف جاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا، نفس تو برائی ہی سکھاتا ہے، ہاں میرے رب کی جو مہربانی ہو جائے بیشک میرا رب بڑی بخشش فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔)

آدمی جب ایسی تصاویر دیکھے گا تو اس کا نفس برائی کی طرف مائل ہوگا اور اگر احتیاط کرلے تب بھی یہ ڈر ہے کہ خدانخواستہ کل وہ برائیوں میں نہ پڑ جائے، ممکن ہے کہ وہ بدنگاہی کا شکار ہو اور اس کے نتیجہ میں دوسری برائیوں میں مبتلا ہو جائے، یہ بات کہی جاتی ہے کہ بدنگاہی ابلیس کے تیروں میں سے پہلا تیر ہے، اگر آدمی اس میں پڑا تو آگے خطرہ ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا، ڈراموں کے اندر بدنگاہی کے پورے مواقع سامنے ہوتے ہیں، جب بے پردہ تصاویر ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ برہنہ تصاویر ہیں لیکن ایسی بے پردہ تصاویر ہیں جن کو ہم کسی حد تک برہنہ بھی کہہ سکتے ہیں، ان کو دیکھنے کی اجازت بالکل نہیں دی جاسکتی، اگر یہ بات کہی جائے کہ کوئی حرج نہیں ہے تو ایسی صورت میں انسان برائی کی طرف چلا جائے گا۔

اسی طرح بچوں کو بعض مرتبہ نامناسب لباس پہنایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ابھی تو بچے ہیں، اس میں کیا حرج ہے، جب کہ یہی حرج ہے، آج وہ بچے ہیں، دیکھنے والا اس کو دیکھ رہا ہے، اس کا ذہن بھی خراب ہو رہا ہے، خود بچہ کا دماغ بھی خراب ہو رہا ہے کہ اس طرح کا لباس پہننا درست ہے۔

اسی طرح تصاویر کا مسئلہ ہے، مارکیٹ کے اندر کثرت سے ایسی چیزیں ملتی ہیں جن کے اندر تصاویر ہوتی ہیں، آدمی سوچتا ہے کہ کیا حرج ہے، جب کہ انھیں بھی رکھنا مناسب نہیں ہے، اس میں ڈر ہے کہ کل آدمی کا ایک قدم آگے بڑھ جائے گا۔

اسی طرح بعض مرتبہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں بھی ایسی شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں، اس میں بھی یہی سوچتا ہے کہ کیا حرج ہے، ان سے ہمارا تعلق ہے اور تعلق میں اتنا تو چلتا ہے، جب کہ اگر تحقیق کی جائے تو سامنے والے کا دل مطمئن نہیں ہوگا۔

یہ تمام وہ صورتیں ہیں کہ ایسے کام نہ کیے جائیں، لیکن اب تو حال یہ ہے کہ دین دار گھرانے بھی محفوظ نہیں ہیں، حاصل یہ کہ وہ تمام چیزیں جن میں آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا دیکھنا یا کرنا ٹھیک ہے یا نہیں، یا یہ کام کرنا ٹھیک ہے یا نہیں، تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہاں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے اور وہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں حرج ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر آدمی ان چیزوں کو چھوڑ دے گا جن میں حرج نہیں ہے تو وہ ان چیزوں سے بھی بچ جائے گا جن میں حرج ہے۔

حضانت (بچوں کے حق پرورش) کے مسائل

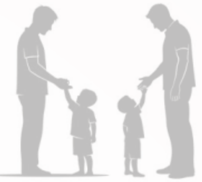

مفتی راشد حسین ندوی

جب میاں بیوی ایک ساتھ رہ رہے ہوتے ہیں تو بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال دونوں مل کر کرتے ہیں اور بچوں کو ماں کے لاڈ کے ساتھ والد کا پیار بھی حاصل ہوتا ہے لیکن پرورش کے حق کے سلسلہ میں مسئلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب میاں بیوی میں تفریق اور علاحدگی ہوجائے، اس وقت شریعت بچہ کے فائدہ کو دیکھتی ہے اور جس کے پاس رکھنے میں بچہ کا فائدہ ہو پرورش کا حق اسی کو دیتی ہے اور دوسرے فرد کو جب چاہے اپنے بچہ سے ملنے کی اجازت دیتی ہے، چنانچہ بچہ جب تک چھوٹا ہو اور دیکھ بھال کے لیے کسی عورت کی ضرورت ہو تو پرورش کا حق بچہ کی ماں یا اس کی نانی دادی جیسی کسی عورت کو دیا جاتا ہے اور جب بچہ لڑکا ہو تو جب وہ پڑھنے لکھنے کی عمر کو پہنچ جائے تو اب اس کے لیے بہتر ہوتا ہے کہ باپ کی کسٹڈی میں رہے تاکہ ماں کی محبت میں تعلیم سے محرومی نہ ہو اور اس کا مستقبل تباہ نہ ہو، جب کہ لڑکی کو امور خانہ داری سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اس کو زیادہ عرصہ تک عورتوں کے پاس رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک خاتون نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے اس بیٹے کے لیے میرا پیٹ ظرف تھا، میری چھاتی سے اس کی سیرابی تھی اور میری گود اس کی جائے پناہ تھی اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس بچہ کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أنت أحق به ما لم تنكحي" (جب تک تم نکاح نہ کرو تب تک تم ہی اس کی حق دار ہو۔) (ابوداؤد: ۲۲۷۶، مسند أحمد: ۶۷۰۷)

ظاہر ہے کہ یہ حدیث چھوٹے بچہ کے لیے ہے، اسی لیے فقہاء نے اس حدیث اور دوسری متعدد احادیث کی بنیاد پر حضانت سے متعلق کئی احکام کا استنباط کیا ہے:

ماں اور دوسری خواتین کو حق حضانت کب تک رہتا ہے؟

اگر میاں بیوی کے درمیان علاحدگی ہوجائے تو جس بچہ کے حق پرورش کے سلسلہ میں تنازع ہے، اگر وہ لڑکا ہے تو ماں اور دوسری خواتین کو اس کے سات سال کی عمر تک پہنچنے تک حق حضانت حاصل ہوگا اور اگر لڑکی ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق ماں اور نانی دادی کو اس کے بالغ ہونے تک اور دوسری عورتوں کو اس کے نو سال مکمل کرنے تک حق حضانت ہوگا اور امام محمد کی روایت میں ماں اور جدہ کو بھی نو سال تک ہی حق ہوگا، علامہ شامی نے امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔
(شامی: ۳/۵۶۶-۵۶۷)

حضانت میں خواتین کی ترتیب:

عورتوں کو مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق حضانت کا استحقاق ہوتا ہے:

(۱) پہلے نمبر پر پرورش کا استحقاق ماں کو ہوتا ہے۔

(۲) اگر ماں نہ ہو یا ہو لیکن وہ بچہ کے نامحرم سے نکاح کرلے، یا اپنا حق چھوڑ دے تو پرورش کا حق نانی کو ہوگا۔

(۳) پھر دادی کو۔ (۴) پھر سگی بہن کو۔

(۵) پھر اخیافی (ماں شریک) بہن کو۔

(۶) پھر علاتی (باپ شریک) بہن کو۔

(۷) پھر بھانجی کو اور بھانجی میں بھی وہی تفصیلات رہیں گی جو بہن کے سلسلہ میں گذر چکی ہیں، البتہ باپ شریک بھانجی کا استحقاق خالہ کے بعد ہوگا۔

(۸) پھر خالہ کو اور اس میں بھی بہن والی تفصیلات رہیں گی

مکمل طور پر، حدیث شریف میں خالہ کو ماں کے مرتبہ میں قرار دیا گیا ہے:"الخالة بمنزلة الأم"(صحيح البخاری: ٢٦٩٩)

لیکن بعض دلائل کے اعتبار سے جدہ ماں ہی کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا جدہ کو مقدم کیا گیا اور بہنوں کو بھی مقدم کیا گیا، اس لیے کہ وہ والدین کی فرع ہیں۔

(۹) پھر بھتیجی حق دار ہوگی اور اس میں بھی بہن والی تفصیلات رہیں گی۔

(۱۰) پھر اسی ترتیب سے پھوپھیاں حق دار ہوں گی۔

بعد کی کچھ اور بھی تفصیلات ہیں، طوالت سے بچنے کے لیے ان کو حذف کیا جارہا ہے۔

(شامی:۳/۵۵۵-۵۶۳، البحر الرائق:۴/۱۸۱-۱۸۴)

اگر مذکورہ بالا عورتیں نہ ہوں؟

فرض کیا جائے کہ اگر اوپر ذکر کردہ عورتوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پرورش کا حق مردوں ہی کو مل جائے گا اور سب سے پہلے بچہ کے عصبات کو حق حاصل ہوگا اور اس میں وہی ترتیب ہوگی جو وراثت میں ہوتی ہے یعنی؛

(۱) پہلے نمبر پر اصول یعنی باپ دادا کو حق ہوگا۔

(۲) پھر بھائی کو اور وہ نہ ہوں تو ان کی اولاد کو۔

(۳) پھر چچا اور ان کی اولاد کو لیکن اگر وہ بچہ جس کی پرورش کرنی ہے لڑکی ہو تو چچا کے لڑکے کو یہ حق نہیں ملے گا، اس لیے کہ وہ محرم نہیں ہے۔(البحر الرائق:۴/۱۸۳)

حق حضانت کب ساقط ہوجاتا ہے؟

مندرجہ ذیل شکلوں میں حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے:

(۱) جب عورت خود اپنا حق پرورش ساقط کردے اور بچہ کو کسی اور کے انتظام میں دینا ممکن ہو۔(شامی:۳/۵۵۹)

(۲) جب عورت بچہ کے نامحرم سے نکاح کرلے۔

(شامی:۳/۵۵۷)

(۳) جب عورت کو کوئی متعدی مرض ہوجائے جس سے بچہ کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔(شامی:۳/۵۵۶)

(۴) جب عورت ایسی فاجرہ فاسقہ ہو کہ بچہ کو اس کے پاس رکھنے میں نقصان ہوسکتا ہو یا وہ مرتد ہوجائے۔(شامی:۳/۵۵۶)

اور اگر عورت یہودی اور عیسائی ہو تو اس کو چھوٹے بچہ کی پرورش کا حق دیا جائے گا لیکن جب بچہ کو شعور آنے لگے اور وہ دین کو سمجھنے لگے تو اسے ان کی پرورش میں نہیں رکھا جائے گا۔(شامی:۳/۵۵۶)

ان موانع کی وجہ سے جب حق پرورش ساقط ہوجائے تو جب یہ موانع دور ہوجائیں مثلاً: جس نے حق ساقط کیا تھا وہ اب بچہ کو پرورش میں لینا چاہے، یا جس نے نکاح کیا تھا اس کی شوہر سے علاحدگی ہوجائے یا مرتدہ مسلمان ہوجائے تو ان کا حق حضانت لوٹ آئے گا۔(فتاویٰ تاتارخانیہ:۵/۲۷۷، ہندیہ:۱/۵۴۱)

جب ایک مرتبہ کے کئی حق دار جمع ہوجائیں؟

اگر کسی بچہ کی پرورش کے لیے ایک مرتبہ کے کئی حق دار جمع ہوجائیں مثلاً: بچہ کی پرورش کا حق بہنوں یا بھائیوں کو مل رہا ہو اور وہ کئی ہوں تو پرورش کا حق اس کو ہوگا جو دین داری اور صلاح وتقویٰ کے اعتبار سے فائق ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو یہ حق زیادہ عمر والے کو ملے گا۔(ہندیہ:۱/۵۴۲)

بلوغ کے بعد بچے خود مختار ہوں گے:

اوپر بیان کردہ تفصیلات بچوں اور بچیوں کے بلوغ سے پہلے کی ہیں، جہاں تک بلوغ کے بعد کا تعلق ہے تو ان کو اختیار دیا جائے گا کہ ماں باپ میں سے جس کے پاس چاہیں رہیں یا الگ رہیں۔

لیکن اگر یہ عقلاً معذور ہوں یا ان کے کسی مصیبت یا فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو بلوغ کے بعد بھی باپ کو حق ہوگا کہ ان کو اپنے پاس رکھے۔(شامی:۳/۵۶۷-۵۶۸)

بچوں کا نفقہ باپ پر ہوگا:

پرورش کا حق چاہے ماں یا کسی اور کو حاصل ہو لیکن بچہ کے تمام اخراجات باپ کے اوپر ہی ہوں گے، اس کی تفصیل آگے "کتاب النفقات" میں آئے گی۔(ہندیہ:۱/۵۶۰)

حضرات انبیاء علیہم السلام اور دعوتِ انسانیت

عبدالسبحان ناخدامدنی ندوی

پیام انسانیت کا کام زمین ہموار کرنے کا کام ہے، حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام ہے، اگر قرآن کریم میں غور کیا جائے تو ہر نبی نے دعوتِ توحید کے ساتھ پیام انسانیت کی دعوت بھی دی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوتِ توحید دی لیکن ان کے زمانہ میں انسانوں کے اندر فرقہ واریت پیدا ہوگئی تھی اور وہ لوگ حد درجہ تکبر کا شکار تھے، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس بیماری کو مٹانے کی کوشش کی، قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے:

﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَاراً﴾ (اور انھوں نے بڑی اکڑ دکھائی)

حضرت ھود علیہ السلام نے دعوتِ توحید دی لیکن ان کے زمانہ میں بھی لوگوں کے اندر ایک خاص قسم کا تکبر پیدا ہوگیا تھا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (بس رہے عاد تو انھوں نے زمین میں ناحق غرور کیا اور بولے کہ ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟)

حضرت ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو زبردستی جنگ (اکراہ) سے روکنے کی کوشش کی، ارشاد الٰہی ہے:

﴿أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ☆ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ☆ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ﴾ (کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟ اور تم نے بڑی کاری گری سے بنائی ہوئی عمارتیں اس طرح رکھ چھوڑی ہیں جیسے تمہیں ہمیشہ زندہ رہنا ہے؟ اور جب تم کسی کی پکڑ کرتے ہو تو پکے ظالم وجابر بن کر پکڑ کرتے ہو۔)

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی لیکن ان کی قوم کے اندر تنعم کی ایک کیفیت تھی تو انہوں نے اس کو بھی روکا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ☆ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ☆ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ☆ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتاً فَارِهِينَ﴾ (کیا تمہیں اطمینان کے ساتھ ان ساری نعمتوں میں ہمیشہ رہنے دیا جائے گا جو یہاں موجود ہے؟ ان باغوں اور چشموں میں اور ان کھیتوں اور ان نخلستان میں جن کے خوشے ایک دوسرے میں پیوست ہیں؟ اور کیا پہاڑوں کو بڑے ناز کے ساتھ تراش کر تم ہمیشہ گھر بناتے رہوگے؟)

حضرت لوط علیہ السلام نے دعوتِ توحید دی لیکن ان کے زمانہ میں انتہائی ذلیل قسم کی غلاظت پیدا ہوگئی تھی، اس سے انھوں نے اپنی قوم کو روکا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ﴾

(کیا تم مردوں (سے خواہش پوری کرنے کو ان) کے پاس جاتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی محفل میں گھناؤنی حرکت کرتے ہو۔)

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوتِ توحید دی لیکن اس کے ساتھ ان کی قوم میں سب سے بڑی جو کمی پائی جارہی تھی وہ حرام کمائی کا کھانا تھا، اس کو انھوں نے بہت سختی کے ساتھ روکا، ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دیا کرو اور زمین میں بگاڑ مچاتے مت پھرو۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کا حال یہ تھا کہ اس نے انسانوں کے درمیان تفریق کی، وہ مفسد تھا، اس نے بعض لوگوں کو کمزور کیا اور بعض لوگوں کو اوپر چڑھایا:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعاً يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ (یقیناً فرعون نے زمین میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو اس نے ٹکڑیوں میں بانٹ دیا تھا، ان میں ایک گروہ کا اس نے زور گھٹا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو ذبح کرڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا، یقیناً وہ فسادیوں میں سے تھا۔)

حاصل یہ کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو جب دعوتِ توحید دی تو اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کا بول بالا کرنے کے لیے جو چیزیں ضروری تھی وہ ساری چیزیں بھی بیان کیں۔

سیرت کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ آخری درجہ کی بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد ”حلف الفضول“ جو بعثت سے قبل ہوئی تھی، اس کے متعلق ارشاد فرمایا کرتے تھے:

”لَوْ دُعِيتُ بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُهُ“ (اگر مجھے آج بھی اس کی دعوت دی جائے تو یقیناً میں سب سے پہلے لبیک کہنے والا ہوں گا۔)

پیامِ انسانیت کا کام بھی حقیقت میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث ہے، اس میراث کو لے کر ہمیں آگے بڑھنا ہے اور یاد رکھیں کہ کوئی نبی بزدل نہیں تھا اور نہ ہی کوئی نبی اللہ کی رحمت سے مایوس تھا، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَكُـلّاً نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاء الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ (اور رسولوں کے جو بھی واقعات ہم آپ کو سنا رہے ہیں وہ اس لیے کہ اس سے آپ کے دل کو طاقت دیں۔)

دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ رسولوں کے واقعات کا مطالعہ کرکے ان کی سنتوں کی وہ شمع جلائی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت وسنت کو سامنے رکھ کر ہمیں کام کرنا پڑے گا، اس کے لیے لوگوں کو باقاعدہ دعوت دے کر یہ کہلوانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کتنے لوگ اس کام میں اپنے کتنے دن دیں گے، ہمیں تو اس کے لیے سال کے ۳۶۵/دن دینے پڑیں گے، اپنی پوری عمر اس کے لیے کھپانی پڑے گی بلکہ ہم تو پیدا ہی اسی لیے کیے گئے ہیں۔

آج کے ان حالات میں ضرورت ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (تم سب سے بہترین امت ہو جس کو تمام انسانوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔)

ہم اس کام کو لے کر ہر ہر آدمی کے پاس جائیں گے، یہ کوئی بزدلانہ دعوت نہیں ہے، یہ کوئی بھیک مانگنے کی دعوت نہیں ہے، یہ انسانوں کو انسانیت سکھانے کی دعوت ہے، اپنے ساتھ احسان، دوسروں کے ساتھ احسان، انسانیت کے ساتھ احسان، ہمیں اللہ رب العزت کے دین کو لے کر آگے بڑھنا اور اللہ رب العزت سے چاہنا ہے، اگر اس راہ میں ہمیں کبھی تکلیف پہنچ جائے تو اللہ نے ہمارے اور غیروں کے درمیان جو تفریق بیان کی ہے وہ زمین و آسمان کے خلا سے بھی بڑی تفریق ہے:

﴿إِن تَكُونُواْ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمونَ﴾ (اگر تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو جیسے تمھیں تکلیف پہنچتی ہے ویسے ہی انھیں بھی پہنچتی ہے۔)

جو بھی محنت کرتا ہے اسے محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے، یہاں تک کہ وہ قتال کا بھی شکار ہوگا، اسی لیے اللہ رب العزت نے جہاد کے موقع پر یہ بات ارشاد فرمائی کہ اگر تمھیں چوٹ پہنچتی ہے تو انہیں بھی چوٹ پہنچتی ہے، گویا اس صورت میں تمام کام کرنے والے برابر ہیں، دنیا میں بہت ساری قومیں کام کرتی ہیں لیکن اللہ نے ان کے اور ہمارے درمیان ایک فرق بیان کیا ہے، وہ فرق ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے، وہ ایسا فرق ہے جو ہمیں ہمیشہ زندہ رکھے گا اور ہمارے عزائم کو بھی بڑا رکھے گا، فرمایا: ﴿وَتَرْجُونَ مِنَ اللّهِ مَا لاَ يَرْجُونَ﴾ (اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے۔)

راہیں دوزخ کی، آرزو جنت کی

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاب گڑھی

انسانی زندگی کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ انسان کہاں جا رہا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ دنیا کی یہ مختصر زندگی دراصل ایک امتحان گاہ ہے جس میں ہر انسان کو اپنے اعمال کے ذریعہ یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ اپنے رب کی رضا کا طالب ہے، یا اپنی خواہشات کا غلام؟! قرآن کریم بار بار انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ دنیا کی زندگی ایک عارضی پڑاؤ ہے اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے:

﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (العنکبوت: ٦٤) (اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے، کاش لوگ جان لیتے۔)

لیکن انسان کی ایک عجیب نفسیات ہے کہ وہ بسا اوقات اپنے اعمال اور اپنے دعوؤں کے درمیان شدید تضاد کا شکار ہو جاتا ہے۔ زبان پر نیکی کے دعوے ہوتے ہیں، دل میں جنت کی آرزو ہوتی ہے، لیکن زندگی کے عملی نقشے میں گناہوں، غفلتوں اور خود فریبیوں کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے۔ یہی تضاد انسان کو دھوکے میں مبتلا رکھتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو تسلی دیتا رہتا ہے کہ وہ نیک ہے، حالانکہ اس کے اعمال اس کے دعوؤں کی تردید کر رہے ہوتے ہیں۔

انسان ایسے کاموں میں مشغول ہے جو اسے جہنم کے قریب لے جا رہے ہیں، مگر اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ جنت کا امیدوار ہے۔ اس شعر میں صرف طنز نہیں بلکہ ایک گہری تنبیہ بھی پوشیدہ ہے کہ اگر انسان نے اپنی زندگی کا محاسبہ نہ کیا تو وہ اپنے اعمال کے انجام سے بے خبر رہ کر ایک خطرناک دھوکے میں مبتلا ہو جائے گا۔

بعض لوگ اپنی زندگی میں ایسے راستوں پر چل رہے ہوتے ہیں جو انہیں تباہی کی طرف لے جا رہے ہوتے ہیں، مگر وہ اپنے آپ کو کامیاب سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے جس پر ہر انسان کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

اسلام انسان کو محض دعوؤں کی بنیاد پر کامیاب قرار نہیں دیتا بلکہ اس کے لیے عمل کی بنیاد ضروری ہے۔ ایمان اور عمل صالح اسلام کی نظر میں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کریم میں بار بار ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کا ذکر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ صرف ایمان کا دعویٰ کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ صالح اعمال کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر انسان کے اعمال اس کے ایمان کی تائید نہ کریں تو اس کا ایمان محض ایک دعویٰ رہ جاتا ہے۔

نبی ﷺ نے بھی انسان کو اس خطرناک خود فریبی سے بچانے کے لیے بار بار تنبیہ فرمائی۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور نادان وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے اور اللہ سے محض امیدیں باندھتا رہے۔“

یہ حدیث دراصل اسی حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ صرف امیدیں اور دعوے انسان کو کامیاب نہیں بنا سکتے۔ اگر انسان اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے اور نیک اعمال سے غفلت برتے تو اس کی امیدیں محض فریب اور ریت کا ڈھیر ثابت ہوں گی۔

انسانی تاریخ میں قومیں اور افراد اسی وقت تباہی کے گڑھے میں گرتے ہیں جب ان کے دعوے اور ان کے اعمال کے درمیان فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب اخلاقیات صرف زبان تک محدود رہ جائیں اور عملی زندگی میں ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے تو معاشرہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایمان اور عمل کے درمیان ہم آہنگی کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ انسان بسا اوقات گناہوں کے

ماحول میں زندگی گزارتا ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو نیک سمجھتا ہے۔ وہ حرام کمائی میں مبتلا ہوتا ہے، ظلم اور ناانصافی کا مرتکب ہوتا ہے، لوگوں کے حقوق پامال کرتا ہے، مگر اس کے باوجود اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ جنت کا مستحق ہے۔ یہ وہی کیفیت ہے جسے قرآن نے غرور یعنی دھوکے کا نام دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیَاةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ﴾ (فاطر: ۵) (اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، لہٰذا دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے اور نہ کوئی دھوکہ باز تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈالے۔)

یہ آیت انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ دنیا کی چمک دمک اور جھوٹی امیدیں انسان کو حقیقت سے غافل کر دیتی ہیں۔ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ قابل معافی ہے اور آخرکار اسے جنت مل ہی جائے گی۔ حالانکہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کا مستحق ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا: ”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔“

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ جنت صرف دعووں سے نہیں بلکہ پاکیزہ دل اور صالح اعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان کے دل میں تکبر، حسد، بغض اور دنیا پرستی موجود ہو تو اس کا جنت کا دعویٰ بے بنیاد ہوگا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جسے اس کے اعمال نے پیچھے چھوڑ دیا، اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک اصل معیار عمل ہے نہ کہ دعویٰ، نہ حسب و نسب، نہ ظاہری حیثیت۔ اگر اعمال درست نہ ہوں تو انسان کے تمام دعوے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

انسان کی اصلاح کا سب سے مؤثر ذریعہ محاسبہ نفس ہے۔ جب انسان روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لیتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اس کی زندگی کس سمت جا رہی ہے تو اسے اپنی کمزوریاں نظر آنے لگتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے:

”تم اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔“

یہ قول دراصل انسان کو اسی خطرناک خودفریبی سے بچانے کی پرزور دعوت ہے، اگر انسان دنیا میں اپنے اعمال کا محاسبہ کر لے تو آخرت میں شرمندگی سے بچ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جنت کا راستہ خواہشات اور دعووں سے نہیں بلکہ مجاہدہ اور اطاعت سے کھلتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ☆ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾ (النازعات: ۴۰-۴۱) (اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا تو بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جنت ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی خواہشات پر قابو پاتے ہیں اور اللہ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ اگر انسان خواہشات کی غلامی میں مبتلا ہو جائے اور پھر بھی جنت کا دعویٰ کرے تو یہ خودفریبی کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام انسان کو امید اور خوف کے درمیان زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ نہ ایسا خوف کہ انسان مایوسی کا شکار ہو جائے اور نہ ایسی امید کہ انسان بے فکر ہو جائے۔ مؤمن کی زندگی میں امید بھی ہوتی ہے اور خوف بھی۔ یہی توازن اسے سیدھے راستے پر قائم رکھتا ہے۔

اگر انسان واقعی جنت کا طالب ہے تو اسے اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حسن اخلاق، عدل و انصاف، امانت داری اور حقوق العباد کی ادائیگی وہ اعمال ہیں جو انسان کو جنت کے قریب لے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ظلم، خیانت، حرام کمائی، جھوٹ، غیبت اور تکبر وہ اعمال ہیں جو انسان کو جہنم کے قریب لے جاتے ہیں۔

لہٰذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو ایسے اعمال سے بھر دے جو اسے جنت کی طرف لے جائیں۔ اگر انسان جہنم کے راستوں پر چلتے ہوئے جنت کی امید رکھے تو یہ امید حقیقت میں ایک دھوکہ بن جاتی ہے۔

اِیون ریڈلی (Yvonne Ridley) کا قبولِ اسلام

سید محمد مکی حسنی ندوی

اِیون ریڈلی جدید دور کی ان معروف نومسلم خواتین میں شمار ہوتی ہیں جن کی داستانِ قبولِ اسلام نہایت غیر معمولی اور سبق آموز ہے۔ ان کا اسلام سے تعلق کسی مسلم خاندان یا مذہبی ماحول کے ذریعے نہیں بلکہ صحافت، افغانستان کا سفر، گرفتاری، قرآن مجید کے مطالعہ اور حق کی تلاش کے نتیجہ میں قائم ہوا۔ ایک مغربی صحافی جو ابتدا میں اسلام کے بارے میں عام مغربی تصورات سے متاثر تھی، افغانستان میں گرفتاری کے بعد قرآن مجید کا مطالعہ کرتی ہے، اپنے سابقہ خیالات پر نظر ثانی کرتی ہے اور بالآخر 2003ء میں اسلام قبول کر لیتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی صحافتی صلاحیتوں، قلم اور زبان کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں گفتگو کے لیے استعمال کیا۔

اِیون ریڈلی 1958ء میں انگلستان کے کاؤنٹی ڈرہم کے علاقے اسٹینلے میں پیدا ہوئیں۔ ان کا تعلق عیسائی ماحول سے تھا اور انہوں نے چرچ آف انگلینڈ کے ماحول میں پرورش پائی۔ صحافت کو انہوں نے اپنا پیشہ بنایا اور مختلف اخبارات میں کام کرنے کے بعد ''سنڈے ایکسپریس'' سے وابستہ ہوئیں۔ وہ ایسی صحافی تھیں جو مشکل علاقوں میں جا کر حالات کا مشاہدہ کرنے اور براہِ راست رپورٹنگ کرنے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ یہی جذبہ انہیں 2001ء میں افغانستان لے گیا۔

11 ستمبر 2001ء کے واقعات کے بعد افغانستان عالمی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان کے خلاف فوجی کارروائی کی تیاری کر رہے تھے اور طالبان کی حکومت کے بارے میں دنیا بھر میں شدید بحث جاری تھی۔ اِیون ریڈلی افغانستان کے حالات کو قریب سے دیکھنے اور رپورٹ کرنے کے لیے وہاں پہنچیں۔ انہوں نے برقع پہن کر افغانستان میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن واپسی کے دوران ان کا کیمرہ طالبان کے ایک اہلکار کی نظر میں آ گیا اور انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ تقریباً دس دن طالبان کی تحویل میں رہیں۔

یہ گرفتاری ان کی زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئی۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق انہیں جس طرح کے تشدد اور بدسلوکی کا خدشہ تھا، اس کے بجائے ان کے ساتھ نسبتاً احترام اور شائستگی کا معاملہ کیا گیا۔ ایک مغربی صحافی کے لیے یہ تجربہ اس لیے اہم تھا کہ اس نے اسلام اور طالبان کے بارے میں ان کے بعض پہلے سے قائم تصورات کو چیلنج کیا، بعد میں انہوں نے اپنے انٹرویوز میں اس تجربے کا ذکر کیا۔

قید کے دوران ایک مسلمان عالم ان سے ملنے آئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اِیون ریڈلی نے اس وقت اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ قید کی حالت میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرنا چاہتیں۔ تاہم انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر انہیں رہا کر دیا گیا تو وہ قرآن مجید پڑھیں گی اور اسلام کے بارے میں مطالعہ کریں گی۔ رہائی کے بعد انہوں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ یہی وعدہ ان کی زندگی کے ایک نئے سفر کا آغاز بنا۔

لندن واپس پہنچ کر انہوں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا۔ ابتدا میں ان کا مقصد اسلام کو سمجھنا تھا، نہ کہ فوراً مسلمان ہونا۔ وہ ایک صحافی تھیں اور کسی مذہب یا معاشرہ کے بارے میں رائے قائم کرنے سے پہلے اس کے بنیادی ماخذ کو جاننا چاہتی تھیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے ان کے سامنے اسلام کی ایک ایسی تصویر آئی جو ان کے سابقہ تصور سے مختلف تھی۔ انہیں معلوم ہوا کہ اسلام توحید، عدل، رحم، اخلاق اور انسانی ذمہ داری کی تعلیم دیتا ہے اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی تسلیم کرتا ہے۔

اسلام اور عورت کے بارے میں بھی ان کے خیالات میں نمایاں تبدیلی آئی۔ وہ پہلے یہ سمجھتی تھیں کہ اسلام عورت کو دباتا ہے، لیکن قرآن کے مطالعے کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ اسلام عورت کو ایک مکمل اخلاقی اور روحانی شخصیت کے طور پر مخاطب کرتا ہے۔

اِیون ریڈلی کے لیے قرآن کا عدل اور انصاف کا تصور بھی اہم تھا۔ قرآن انسان کو دشمنی کے باوجود انصاف سے نہ ہٹنے کی تعلیم دیتا

ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔)

یہ تعلیم ایک صحافی کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہوسکتی ہے کیونکہ صحافت میں بھی حقیقت، انصاف اور دیانت بنیادی اصول سمجھے جاتے ہیں۔

تقریباً دو سال کے اس فکری سفر کے بعد اِیون ریڈلی نے 2003ء میں اسلام قبول کرلیا۔ ان کا اسلام قبول کرنا کسی وقتی جذباتی کیفیت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ قرآن کے مطالعے، سوالات اور غور وفکر کے بعد ہونے والا ایک شعوری فیصلہ تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنی صحافتی صلاحیتوں کو ایک نئے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے اسلام کے بارے میں لکھا، تقریریں کیں، مختلف ممالک میں لیکچرز دیے اور مسلمانوں کے مسائل کو عالمی سطح پر اجاگر کیا۔ ان کی معروف کتاب In the Hands of the Taliban میں افغانستان میں گرفتاری اور وہاں کے تجربات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی ایک اور کتاب Ticket to Paradise بھی معروف ہے۔

بعد میں وہ قطر منتقل ہوئیں اور الجزیرہ کے انگریزی شعبہ سے وابستہ رہیں۔ ان کی صحافتی مہارت اور مسلم دنیا کے بارے میں بڑھتی ہوئی واقفیت نے انہیں اسلام اور مغرب کے تعلقات پر گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا۔ وہ افغانستان اور عراق کی جنگوں کی مخالف رہیں اور جنگ کے نتیجے میں عام شہریوں کو پہنچنے والے نقصانات کے بارے میں آواز اٹھاتی رہیں۔ فلسطین اور غزہ کے مسئلے پر بھی انہوں نے متعدد مواقع پر اظہارِ خیال کیا۔

فلسطین کا مسئلہ بھی ایون ریڈلی کی سیاسی اور انسانی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ رہا ہے۔ وہ فلسطینی عوام کے حقوق کی حمایت کرتی رہی ہیں اور غزہ کی صورتِ حال کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ غزہ کی ناکہ بندی اور وہاں کے انسانی بحران کے خلاف ہونے والی بین الاقوامی مہمات میں ان کی شرکت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ انہوں نے Freedom Flotilla اور بعد میں Global Sumud Flotilla جیسی مہمات میں شرکت کر کے غزہ تک امداد پہنچانے اور فلسطینی عوام کی حالتِ زار کی طرف عالمی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی۔ 2025ء میں وہ Global Sumud Flotilla کے قافلے میں بھی شامل تھیں جس کا مقصد غزہ کے لیے انسانی امداد پہنچانا اور محاصرے کے خلاف احتجاج کرنا تھا۔ اس دوران اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں کافی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ کے سوا وہ اب تک کسی کے آگے نہ جھکیں۔

اِیون ریڈلی نے مسلمان خواتین اور حجاب کے بارے میں بھی گفتگو کی۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کے ذہن میں مسلمان خواتین اور حجاب کے بارے میں بہت سے منفی تصورات تھے لیکن بعد میں مختلف مسلم معاشروں میں تعلیم یافتہ، ڈاکٹر، انجینئر اور سماجی کارکن خواتین سے مل کر ان کے خیالات تبدیل ہوئے۔ وہ اس بات پر زور دیتی تھیں کہ اسلام کی اصل تعلیمات اور بعض مسلم معاشروں کی ثقافتی روایات کو ایک ہی چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔

اِیون ریڈلی کی خدمتِ اسلام کا میدان بنیادی طور پر صحافت، تصنیف، تقریر، دعوتی گفتگو اور مسلمانوں کے مسائل کو عالمی سطح پر اجاگر کرنا تھا۔ وہ روایتی معنی میں عالمہ نہیں تھیں، اس لیے ان کی خدمات کو عام دنیاوی دائرہ میں دیکھنا زیادہ درست ہے۔ ان کی اہمیت اس بات میں ہے کہ ایک مغربی صحافی نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شہرت اور صلاحیتوں کو اسلام کے بارے میں گفتگو کے لیے استعمال کیا۔

ان کی زندگی ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اسلام کی خدمت صرف مدرسہ، مسجد یا دینی کتاب تک محدود نہیں۔ ہر انسان اپنی صلاحیت کے مطابق دین کی خدمت کرسکتا ہے۔ عالم علم کے ذریعہ، استاد تعلیم کے ذریعہ، مصنف قلم کے ذریعہ، صحافی صحافت کے ذریعہ اور مقرر اپنی زبان کے ذریعہ۔ اِیون ریڈلی نے اپنی صحافتی صلاحیت کو اسی طرح استعمال کیا۔ ان کی تمام خدمات اور پر اثر دعوتی گفتگو یوٹیوب پر موجود ہے۔

الحاد کا طوفان-اسباب اور علاج

محمد نجم الدین الرحیمی ندوی

عصر حاضر میں الحاد اور لادینیت کو جن بنیادوں سے قوت وتوانائی حاصل ہوئی ان میں ایک اہم اساس اور خطرناک فکر ونظر مغربیت زدگی (Moderenism) ہے جیسا کہ سیکولرزم بھی ایک انتہائی خطرناک نظریہ ہے، جس نے تمام نظاموں کو زیروزبر کرکے رکھ دیا ہے، ماڈرن ازم کا ترجمہ عام اور آسان زبان میں ''نقلی فرنگی بننے کا جنون'' سے کیا جاسکتا ہے، علمی وادبی زبان میں ''جدت پسندی'' کی تعبیر بھی مستعمل ہے، ماڈرن ازم کی پکار ہے کہ مذہب کوئی چیز نہیں، حواس ومشاہدہ اور تجربہ اور عقل وادراک کے خانہ میں کوئی شے نہ آئے تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کو اختیار اور برتا جائے، اس نظریہ وفکری نظام کے پس منظر وپیش منظر میں چند اہم مقصد وہدف کارگر نظر آتے ہیں کہ مذہب اسلام کی اصل صورت کو مسخ کرکے ایک مصنوعی اسلام تیار کرکے پیش کیا جائے اور اہل اسلام کو ان کے ماضی کے حوالہ سے شرمندہ کیا جائے، عصر رواں میں اہل اسلام کو ہر طرح مایوسی پر لے آنا اور مستقبل کی نوید سے بھی ناامید ہوکر رہنا اور زندگی کو مادہ ومادیت کے حصول تک محدود کردینا وغیرہ ہیں۔

سیکولرزم کی تخریب کاری کا اندازہ خامہ گزشتہ سے ہلکا سا ضرور ہوا ہوگا کہ عقائد کے حوالہ سے شکوک وشبہات پیدکرنا اور ملحدانہ خیال ونظر کو بڑھاوا دینا اور انسانی زندگی سے حکومت وسیاست اور معاشرت سے مذہب کو نکال کر مغرب کی پیدا کردہ قدروں پر سیکولر حکومت کی تشکیل ہے۔اسی طرح سے ماڈرن ازم کی تخریب کاری مشرق ومغرب کے رگ رگ میں پیوست ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جدت پسندی ایک اچھا جذبہ اور انسان کی فطری چاہت ہے، اسلام خود ایک فطری مذہب ہے، اس نے صرف جدت کو جدت سمجھ کر کوئی پابندی نہیں لگائی، اس نے اچھی چیز پر ہمت افزائی کی ہے، اس سلسلہ میں سیرت نبوی سے جنگ احزاب وغزوۂ طائف وغیرہ کو بطور نمونہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں جدید جنگی آلات اور جدید طریقہ جنگ اختیار کرنے کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرمائی، اسی طرح زرعی اور تجارتی نیز جنگی بحریہ کا استعمال عربوں کے تئیں جدید اشیاء وآلات کو اختیار کرنا تھا، اس پر پابندی نہیں بلکہ اچھے مقاصد کے دائرہ میں جدت پسندی (ماڈرنیت) کی نکیر نہیں کی ہے، البتہ وہ جدت جو فرعونوں اور شدادوں کی تاریخ دہراتی ہے، ملک گیری کی ہوس خداشناسی سے دور لے جاتی ہے اور جو عریانی وفحاشی اور باہمی رضامندی سے زنا اور ہم جنس پرستی کے جواز کی سند فراہم کرتی ہے' اور دانایانِ فرنگ جو عقل ودانش کے دعویدار ہیں' اگر انسانیت وحیوانیت اور اخلاق ودرندگیت کے درمیان فرق کو مٹادیں' تو ایسی جدت پسندی (ماڈرن ازم) کی کسی خطہ ارضی میں اجازت نہیں ہوگی، الحاد ودہریت اور لامذہبی کردار کہیں بھی درآئے' حیرت یہ ہوتی ہے کہ الحاد مذہب ودین کو چھوڑ کر انسان کو گرداب میں لادیتا ہے، اس کے بعد معاشی ومعاشرتی اور دیگر اہم مسائل میں بھی وہم وگمان کے درمیان گردش میں رہتا ہے، کیوں کہ الحاد کسی بھی نظام کے ماتحت مسائل اور انسان کے ذہن میں ابھرنے والے سوالوں کے جوابات سے فی الاصل عاجز ہے اور یہ کوئی نظام زندگی بھی نہیں ہے، جب کہ کم ازکم کمیونزم نے اخلاقی ذمہ داری سطحی طور پر یا برائے نام سہی پورا کرنے کی کوشش کی، اگرچہ اس کے پوری طرح ناکام ہونے میں اب کسی کو شبہ نہیں رہا۔

ماڈرن ازم کو فروغ دینے اور پوری دنیائے انسانی میں عام کرنے بلکہ مسلط کرنے کے تئیں مختلف حربے اور وسائل اختیار کیے

گئے، یہ وہ وسائل وحربے ہیں جن سے بآسانی الحادو لا مذہبی فکروذہن کی تشکیل اوراس کی اشاعت بسہولت ہوجاتی ہے، ان میں چند بہت اہم ہیں مثلاً: تعلیم وتربیت کا نظام، سیاست کا میدان، قانون ونظام عدل وانصاف، فنون لطیفہ وتفریح وکھیل وکوداور معیشت وتجارت کے علاوہ جاہلی ولسانی وعلاقائی عصبیت کا فروغ واشاعت وغیرہ۔

اس کے ساتھ ہی انتہائی اہم عنصر یا اساس آزادئ نسواں کی پکاراوراس کی تشہیر بھی ہے۔ یہ وہ خوفناک اوراذیت ناک بلکہ ایمان سوز وسائل ہیں جن سے نوع انسانی پوری طرح آزادنہیں ہے، ان میں میڈیا(Media)الحادولا مذہبی فکروخیال کی اشاعت میں ایک اہم ذریعہ اور بہت خطرناک ومؤثر ہتھیار ہے، اس نے شکوک وشبہات پھیلانے بڑا اہم کام کیا ہے، شہوت پرستی وفتنہ پروری کی راہیں کھولتا ہے، اور یہ سب کچھ تفریح کے نام پر ہوتا ہے، مولانا نذرالحفیظ ندویؒ کی ''مغربی میڈیا اوراس کے اثرات'' میں کھل کرفرنگیت کے قائم کردہ سنگین نقوش اوراس کے اثرات کونمایاں کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ

''سیاسی واقتصادی دباؤ کے مشرقی قوموں کوبھی اباحیت کے راستے پرڈالا جارہا ہے تاکہ وہ بھی مغربی معاشرہ کی طرح زبردست سماجی، اخلاقی اورنفسیاتی بھونچال سے دوچار ہوجائیں اور ایسے کھوکھے سماج کی طرح ہوجائیں جہاں انسانی قدروں کی نہ قیمت ہوتی ہے نہ ہی باہمی الفت ومحبت کی گرمی اور نہ اخلاص ودلسوزی اور ہمدردی وتعاون کا جذبہ ہوتا ہے، مادہ پرستی اور بے لگام آزادی پرمبنی فلموں اوراخلاقی وانسانی وجود کے عدم تحفظ نے جوزبردست اخلاقی بحران مغربی معاشرہ میں پیدا کردیا ہے وہی بحران اس وقت مشرق میں پیدا ہورہا ہے۔'' (مغربی میڈیا اوراس کے اثرات:۲۱)

ماڈرن ازم کے وسائل میں سے ایک تعلیم بھی ہے، اس نے بڑی چابک دستی اورہوشیاری سے سیکولرزم کی ظاہری خوبصورتی کے سہارے تعلیم کے ادارے قائم کئے اور رفتہ رفتہ الحادولا مذہبیت اور اسی طرح مذہب ودین کے حوالے سے شکوک وشبہات کی آبیاری ہوتی چلی گئی اوراس کے پہلو بہ پہلو مردوزن کے باہمی اختلاط پر سلسلہ تعلیم جاری کیا کہ نفس ومادیت کے ماروں اوراس کے پرستاروں کوشعوروں لاشعور میں بچھائے گئے جال میں جکڑ کررہ سے گئے، ساتھ ہی شخصی آزادی ایسی اس راہ سے آئی کہ نفس کوپھلنے پھولنے کا موقع ملتا رہا اوردین ومذہب کا مذہب کا لبادہ اتارنے میں کوئی شے مانع نہیں رہی، اس طرح الحادولادینیت اورغیر مذہبیت نے تعلیم، اداروں اور معاشرہ میں جگہ پائی اورمذہب بیزاری والحاد نے اس طرح سماج میں مذہب دشمن عنصر کوخداشناسوں اور بت پرستوں دونوں کے درمیان میں فروغ دیا کہ کوئی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکا، اس پس منظر میں لارڈ لیکالے کا یہ بیان کس فکرونظر کی دعوت دیتا ہے کہ

''ان تعلیمی اداروں میں مسلمان عیسائی نہ بھی بنیں گے توکم از کم مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔''

قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں کل کا یہ بیان کس قدر درست ثابت ہوا، لسان العصر اکبر الٰہ آبادی نے یہ کہہ کراس کی حقیقت پرمہر بھی لگادی کہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

الحاد کی یہ ہوا اورطوفان تعلیم گاہوں اورعلمی اداروں سے اٹھا، علم وادب اورزبان کی طرف سے بھی یہ الحاد آیا ہے، امام سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ

''اب الحاد ادب کے راستہ سے آرہا ہے، چنانچہ یہ ہمارا مطالعہ ہے کہ اکثر جامعات کے شعبہ ادب، وہ انگریزی ہو یا اردو، یہ خاص طور پرعقائد میں تزلزل پیدا کرنے اورالحاد وتجدد اورآزاد خیالی کا مرکز رہے ہیں اوراب بھی بہت سی یونیورسٹیوں میں یہی حال ہے کہ انگلش ڈپارٹمنٹ اورخاص طور پراس میں پڑھنے والے جو طلبہ ہیں وہ آزاد خیال ہوتے ہیں اوران کے اندر بغاوت پیدا ہوتی ہے قدیم اقداراوردینی اقدار سے۔''

(طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں:۱۹/۲)

انسان قرآن کریم کی نظر میں

ابوالحسن علی حسنی

کسی بھی کتاب کو سمجھنے، اس سے استفادہ کرنے، اس کے پیغام کو اخذ کرنے پھر اس کی نشر واشاعت میں اپنی توجہات مرکوز کرنے اور بقدر استطاعت صلاحیتیں صرف کرنے پر آمادہ ہو جانے میں ایک بڑا اور اہم کردار اس بات کا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کی نظر میں پڑھنے والے کی کیا حیثیت ہے، یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر کسی بھی کتاب میں خاص طور سے اس کا ذکر ہو تو وہ اس کو بڑے ذوق وشوق سے پڑھتا ہے اور اگر اس کتاب کا مرکزی موضوع ہی وہی ہو تب تو وہ کتاب اس کو عزیز ترین ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم کلام الٰہی ہے جس کے نزول کا سبب ہدایت انسان اور جس کا بنیادی مقصد تطہیر انسان ہے، اس میں اللہ رب العزت نے انسان کو بہت بلند کلمات اور بہت اعلیٰ شان سے نوازا ہے اور مختلف آیات میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ ہر ہر آیت پر انسان سر بہ سجدہ اس مالک حقیقی کا شکر بجالائے کہ اس نے ذرہ کو قمر بنا دیا، ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

تکریم:

قرآن کریم میں ایک جگہ ذکر ہے کہ انسان کو عزت وشرف سے ہم کنار کیا گیا ہے، یہ اعزاز اس ذات بابرکت کی طرف سے عطا ہوا ہے جس کی حمد وثنا میں آسمان وزمین، چرند و پرند، بحر و بر، حور وملائکہ اور کائنات کا ذرہ ذرہ مشغول ہے، اس کی طرف سے کسی کو عزت عطا ہونا اس کی شان کو کس قدر بلند کر دیتا ہے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾ (الإسراء: ۷۰)

(اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور خشکی اور سمندر میں ان کو سواری دی اور ان کو اچھے اچھے رزق دیئے اور اپنی مخلوقات میں بہتوں پر ان کو خاص رتبہ بخشا۔)

تنزیل:

قرآن کریم افضل البشر پر تمام انسانوں کے لیے نازل ہوا، گویا عالم انسانیت کو عالم بالا سے سرچشمہ نور وہدایت عطا ہوا:

﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ٤٤)

(اور (کتاب) نصیحت آپ پر اس لیے اتاری تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان چیزوں کو کھول دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں اور شاید وہ غور کریں۔)

تنعیم:

اللہ رب العزت کے بے پایاں احسانات ہیں، بنی نوع انسان پر نعمتوں کے دہانے اس طرح کھولے کہ ان کا شمار انسان کے بس میں نہیں جس کی صراحت خود قرآن کریم کرتا ہے لیکن ان لاتعداد نعمتوں سے قطع نظر اللہ رب العزت کی ایک ایسی آیت بھی ہے جس کے شکر میں دنیا کا ہر ذرہ بھی حمد سرا ہو جائے تب بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (المائدۃ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔)

انعامات تو تمام مخلوقات پر ہیں لیکن نعمت کا اتمام انسان کے نصیب میں ہی آیا۔

تحسین:

یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ خالق کی خلقت اور اس کی کرشمہ سازی کا مظہر ہے، دریا کی روانی، پہاڑوں کی جوانی، آفتاب کی ضوفشانی اور ماہ و انجم کی تابانی و درخشانی میں قدرت کی جلوہ گری عیاں و بیاں ہے لیکن جب حسن و جمال کا ذکر آیا تو ارشاد ذات باری تعالیٰ ہوا:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾(التین: ٤)

(ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں (ڈھال کر) پیدا کیا ہے)

تحبیب:

یہ انسان کے لیے کس قدر فخر کی بات ہے کہ جس کی محبت میں ہر جاندار و بے جان مدمست و سرشار ہے، جو تمام محبتوں کا محور و مرکز ہے، اس ذات نے انسان سے اپنی محبت کا اظہار نرالے انداز میں کیا، حق تعالیٰ نے انسان اول کی تخلیق سے پہلے بھی اور بعد میں بھی (یعنی دو مرتبہ) تمام فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا اور ابلیس کے انکار پر ارشاد ہوا:

﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾(ص: ٧٥)

(اے ابلیس! جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟!)

یہ ایک ایسا معنی خیز جملہ ہے کہ جس کو سن کر انسان مست و بے خود ہو جائے، جام محبت پیتا چلا جائے، عشق حقیقی میں غوطہ زنی کرتا چلا جائے اور اس شعر کا مصداق بن جائے:

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

انتساب:

یہ بھی اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس نے انسان کی نسبت جگہ جگہ اپنی طرف کی ہے، جب انسان کی تخلیق ہوئی تو فرمایا:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي﴾(الحجر: ٢٩)

(پھر جب میں اس کو پورا کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔)

اسی طرح جب انسان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کیا تو اس کو ''عباد الرحمٰن'' کا لقب عطا کیا اور جب قرآن کریم کی آخری سورہ میں اپنی ربوبیت و بادشاہت اور اپنی الوہیت کا ذکر کیا تو اس کی نسبت بھی تمام کائنات کو چھوڑ کر انسانوں کی طرف کی چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ☆مَلِكِ النَّاسِ☆إِلَٰهِ النَّاسِ﴾

(الناس: ١-٣)

(کہیے کہ میں پناہ میں آتا ہوں تمام لوگوں کے پروردگار کی، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔)

تسخیر:

ان تمام نوازشوں اور کرم نوائیوں کے بعد بارگاہ خداوندی سے صدا بلند ہوتی ہے کہ ہم نے یہ ماہ و خورشید، یہ ستارے و سیارے، یہ شجر و حجر، یہ بحر و بر، یہ دریا و صحرا و خشک و تر، گویا زمین و آسمان میں موجود ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(الجاثیة: ١٣)

(اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اس (اللہ) نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کر دیا یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔)

ان تمام احسانات کے استحضار کے ساتھ جب انسان اللہ کا کلام پڑھے گا تو اس کے معانی و مطالب اس کے قلب میں جاگزین ہوتے چلے جائیں گے اور پھر ایک ایسا روحانی اور قرآنی انسان نکھر کر سامنے آئے گا جو تمام عالم کے لیے نمونہ ہوگا۔

(خلاصہ درس؛ مولانا عبدالسبحان ناخداندوی)

دل کی سختی کا علاج

سیف الدین فیضی ندوی

دنیا کے بیش تر ظلم تلوار سے اور نہ صرف گولیوں کی بوچھار سے ہوتے ہیں بلکہ بعض ظلم وہ ہوتے ہیں جو دل کی سختی کے نتیجہ میں ہوتے ہیں، جب کسی کا دل سخت ہو جائے تو اس انسان کو دوسروں کا درد محسوس نہیں ہوتا، وہ اپنے رویہ اور الفاظ سے دوسروں کو زخمی کرتا ہے، اپنے اختیارات اور اپنی طاقت سے دوسروں کے دلوں کو چھلنی کرتا ہے۔ دنیا میں مظالم کی ایسی بہت سی شکلیں ہیں کہ اس دنیا میں ان پر مؤاخذہ ضروری نہیں، تاہم اللہ کی عدالت میں ان پر باز پرس ضرور ہوگی، ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ☆ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الحجر: ۹۲-۹۳) (بس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھیں گے، کیا کچھ وہ کیا کرتے تھے۔)

آج اصل سوال یہ ہے کہ دل کی وہ سختی کیسے ختم ہوگی جو ظالم کو ظلم کرنے پر مجبور کرتی ہے اور ظالم کا دل پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت بنا دیتی ہے، ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (البقرہ: ۷۴) (پھر اس کے بعد (بھی) تمہارے دل سخت ہوگئے تو یہ پتھر کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت۔)

دل کی سختی کا صحیح علاج دل کے اندر نرمی پیدا کرنا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس میں محبتِ رسول ﷺ پیوست ہو تو وہ دل اس حدیث کا مظہر بن جاتا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ." (الترمذی: ۱۹۲۴) (رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔)

اللہ کو وہ دل مطلوب ہے جس میں رحم ہو، محبت ہو، شفقت ہو، خیر خواہی اور نرمی ہو۔ جس دل میں رحم ہوگا، شفقت ہوگی، پیار ہوگا، عفو ودرگزر اور معاف کرنے کا جذبہ ہوگا، وہ دل یقیناً نرمی ومحبت کا پیکر ہوگا اور ظلم کے تصور سے بھی پاک ہوگا۔ انسان کے دل میں نرمی اس وقت پیدا ہوگی جب اس کا دل قرآن مجید سے منور ہو، قرآن مجید دلوں میں نرمی پیدا کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کے روگ کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت ورحمت آ پہنچی۔)

یہ آیت ہمیں صاف پیغام دیتی ہے کہ اپنے خالق حقیقی کی نصیحت حاصل کرنے، اپنے دلوں کے زنگ کو دور کرنے اور انسانی سماج میں ہدایت ورحمت اور امن ومحبت کا پیغام عام کرنے کے لیے قرآن مجید سے وابستگی بہت ضروری ہے۔

آج ضرورت یہ ہے کہ ہم اللہ کے بندوں پر رحم کریں، اگر ہم مالک ہیں تو غور کریں کہ کیا ہمارا ملازم ہم سے خوش ہے؟ اگر ہم اپنے گھر کے ذمہ دار اور سرپرست ہیں تو ہم سوچیں کہ اپنے گھر والوں کے لیے داروغہ تو نہیں؟ اگر ہمارے پڑوس میں کوئی شخص ہے تو ہم دیکھیں کہ ہمارا پڑوسی ہماری زبان اور ہاتھ سے محفوظ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہمیں ان سوالوں کا جواب نفی میں ملتا ہے تو ہم اللہ کی رحمت کے امیدوار کیسے ہو سکتے ہیں؟!

بلاشبہ کمزوروں کا سہارا بننا، مسکینوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور معافی کا جذبہ دلوں کو نرم کر دیتا ہے، لہٰذا ضرورت ہے اپنے دلوں میں رحم پیدا کرنے کی، اپنے گھروں کو محبت کا گہوارہ بنانے کی، اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی۔ حضور ﷺ کی پوری زندگی اسی مشن کی آئینہ دار ہے ۔

سبق ہم کو ملا ہے یہ طریق جان رحمت سے
دلوں میں گھر کیا جاتا ہے پیغام محبت سے

اخلاص واخلاق کا عدمِ توازن

محمد ارمغان بدایونی ندوی

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت صرف اس کے اعمال سے نہیں بنتی بلکہ اس کے اعمال کے پیچھے چھپی نیت اور ان اعمال کے دوسروں پر پڑنے والے اثرات سے بھی بنتی ہے۔

دین اسلام نے انسان کی اصلاح کے لیے دو بنیادی پہلوؤں پر غیر معمولی توجہ دی ہے: (۱) اخلاص (۲) اخلاق۔

اخلاص انسان کے باطن کو سنوارتا ہے اور اخلاق اس کے ظاہر کو، اخلاص انسان کو اللہ سے جوڑتا ہے اور اخلاق اسے اللہ کی مخلوق کے لیے رحمت بناتا ہے۔ جب یہ دونوں ایک ساتھ ہوں تو ایک متوازن، صالح اور مؤثر شخصیت وجود میں آتی ہے لیکن جب ان میں عدمِ توازن پیدا ہو جائے تو دین داری کا حسن متاثر ہونے لگتا ہے۔

آج ہمارے معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ اخلاص واخلاق کا یہی عدمِ توازن ہے۔ عام طور پر لوگ عبادات، نوافل، تلاوت، ذکر واذکار اور دینی مشاغل میں بہت آگے ہوتے ہیں مگر ان کے مزاج میں سختی، گفتگو میں تلخی، معاملات میں بے اعتدالی اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں ناگواری نمایاں نظر آتی ہے۔

اسی طرح کچھ لوگ خوش اخلاق، نرم گفتار اور ملنسار ہوتے ہیں لیکن عبادات اور اللہ سے تعلق کے معاملے میں غفلت کا شکار ہوتے ہیں۔ اسلام دونوں میں سے کسی ایک کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ وہ انسان سے باطن کی پاکیزگی اور ظاہر کی شائستگی، دونوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود بنائے۔ وہ کوئی نیکی اس لیے نہ کرے کہ لوگ اسے نیک سمجھیں، علم اس لیے نہ حاصل کرے کہ اسے عالم کہا جائے، صدقہ اس لیے نہ دے کہ اس کی سخاوت کے چرچے ہوں اور عبادت اس لیے نہ کرے کہ لوگ اس کی دین داری سے متاثر ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے کا ارشاد ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر موقوف ہے۔“

اخلاص انسان کو ریا، نمود و نمائش اور خود پسندی سے بچاتا ہے۔ یہ وہ اندرونی قوت ہے جو انسان کو اس وقت بھی نیکی پر قائم رکھتی ہے جب اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو لیکن اخلاص کا دعویٰ صرف زبان سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی حقیقت انسان کے رویہ، معاملات اور تنہائی میں ظاہر ہوتی ہے، اسی لیے اخلاص کے ساتھ اخلاق کی خوبی کا ہونا بھی انسان کے درجہ کمال پر فائز ہونے کی علامت ہے۔

اسلام نے اخلاق کو محض ایک سماجی خوبی قرار نہیں دیا بلکہ اسے ایمان اور دینداری کے بنیادی مظاہر میں شمار کیا ہے، ارشاد نبویؐ ہے: ”مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔“

اچھے اخلاق کا مطلب صرف مسکرا کر مل لینا نہیں بلکہ اس میں صبر، تحمل، عفو و درگزر، تواضع، سچائی، وعدے کی پابندی، حسن گفتگو، دوسروں کے احساسات کا لحاظ اور معاملات میں دیانت داری سب شامل ہیں۔

بسا اوقات ہم مسجد میں صف اول کے نمازی کو دیکھ کر اس کی دینداری کا اندازہ لگاتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے، ہم کسی کی تلاوت اور ذکر کی کثرت دیکھ لیتے ہیں مگر اس کے ماتحتوں، پڑوسیوں، کمزوروں اور ضرورت مندوں کے ساتھ اس کا رویہ ہماری نظر سے اوجھل رہتا ہے، حالانکہ انسان کی حقیقی تربیت کا امتحان اکثر انہی مقامات پر ہوتا ہے جہاں اسے اپنے نفس پر قابو پانا پڑتا ہے۔

اخلاص کا تصور اگر اخلاق سے الگ ہو جائے تو انسان اپنی نیکی

کو اپنی برتری سمجھنے لگتا ہے۔ وہ عبادت گزار تو ہو سکتا ہے مگر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اسے اپنی نیکی نظر آتی ہے، دوسروں کی کمزوری نظر آتی ہے۔ اسے اپنی عبادت کا احساس رہتا ہے مگر اپنے لہجے کی سختی کا احساس نہیں رہتا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان دین کی بات تو بہت کرتا ہے لیکن اس کی ذات سے دین کی خوشبو کم آتی ہے۔

وہ لوگوں کو نصیحت کرتا ہے مگر ان کے حالات کو نہیں سمجھتا، اصلاح چاہتا ہے مگر اسلوبِ اصلاح میں حکمت نہیں برتتا، حق کی بات کہتا ہے مگر حق بات کہنے کا اخلاق بھول جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس دین کی خوب صورتی اس کے ذریعہ لوگوں تک پہنچنی چاہیے تھی، وہی دین اس کے سخت رویہ کی وجہ سے لوگوں کو مشکل محسوس ہونے لگتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ حق بات کہنا چھوڑ دیا جائے یا برائی پر خاموشی اختیار کرلی جائے۔ اصل مطلوب یہ ہے کہ حق کے ساتھ حکمت، اصلاح کے ساتھ شفقت اور دینداری کے ساتھ حسن اخلاق بھی ایک انتہائی ضروری چیز ہے۔

دوسری طرف اخلاق بھی اخلاص سے خالی ہو جائے تو وہ محض سماجی فن بن کر رہ جاتا ہے۔ خوش اخلاقی صرف اس لیے کہ لوگ تعریف کریں، سخاوت اس لیے کہ نام ہو، مسکراہٹ اس لیے کہ تعلقات بہتر رہیں اور خدمت اس لیے کہ شخصیت مقبول ہو، یہ سب بظاہر خوب صورت اعمال ہو سکتے ہیں لیکن ان میں روحِ اخلاص نہ ہو تو انسان کا باطن خالی رہ جاتا ہے۔

اسلام جس اخلاق کا مطالبہ کرتا ہے وہ صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک اس وقت بھی کرے جب اسے بدلے میں تعریف، شکریہ یا فائدہ ملنے کی توقع نہ ہو۔

اخلاص اور اخلاق کے توازن کو پرکھنے کے لیے سب سے اہم جگہ انسان کا اپنا گھر ہے۔ باہر لوگوں کے سامنے نرم لہجہ میں گفتگو کرنا آسان ہے لیکن گھر میں اختلاف کے وقت صبر کرنا، غصہ کے باوجود زبان پر قابو رکھنا، چھوٹوں سے محبت اور بڑوں کا احترام کرنا اصل اخلاق ہے۔

ایک شخص مسجد میں انتہائی خشوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے لیکن گھر پہنچ کر معمولی بات پر غصہ میں آجاتا ہے، وہ صدقات دیتا ہے مگر اپنے زیر کفالت افراد کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے، وہ دینی مجالس میں اخلاق نبوی ﷺ کے واقعات بیان کرتا ہے مگر اپنے معاملات میں سخت مزاج ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ہماری عبادت ہمارے اخلاق کو کتنا بدل رہی ہے؟!

اخلاص واخلاق کے مابین اس عدم توازن کا ایک بنیادی علاج یہ ہے کہ ہم دین کو اس کی جامع صورت میں سمجھیں۔ عبادت کو اخلاق سے الگ نہ کریں اور اخلاق کو عبادت کا متبادل نہ بنائیں۔

ہم روزانہ اپنا جائزہ لیں کہ کیا ہماری عبادت نے ہمارے اندر عاجزی پیدا کی؟ ہمارے علم نے ہمیں متواضع بنایا؟ ہماری نماز نے ہمیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے کے قابل بنایا؟ ہمارے ذکر نے ہماری زبان کو غیبت، طعن وتشنیع اور بدکلامی سے محفوظ کیا؟ ہماری دینی مصروفیات کے ساتھ ہمارے گھر والے بھی ہمارے حسن اخلاق سے فیض یاب ہو رہے ہیں؟! وغیرہ

سچی بات یہ ہے کہ اگر ان سوالات کے جوابات ہمیں مطمئن نہیں کرتے تو بلاشبہ ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لیے اس توازن کی بہترین مثال ہے، آپ ﷺ عبادت میں سب سے آگے تھے اور اخلاق میں بھی سب سے بلند، اللہ کے سامنے سب سے زیادہ جھکنے والے تھے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحمت وشفقت کرنے والے بھی، یہی وہ جامع شخصیت ہے جسے اسلام ہمارے سامنے نمونہ بنا کر پیش کرتا ہے۔

آج ہمیں ایسی دینداری کی ضرورت ہے جو مسجد میں عبادت گزار، گھر میں شفیق، بازار میں دیانت دار، اختلاف میں باوقار، کمزوروں کے لیے رحیم اور تنہائی میں مخلص ہو۔

ملفوظات داعی اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ضبط وپیش کش:

محمد عظیم الدین ندوی

دعا اور ایصال ثواب کا فائدہ:

فرمایا: ''دوسروں کے حق میں دعا کرنے اور وہ لوگ جو اس دنیا سے جا چکے ہیں ان کے لیے ایصال ثواب کرنے کے بڑے فوائد ہیں۔ دوسروں کے لیے دعا کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ دعا کرنے والے کے حق میں بھی قبول ہوتی ہے اور ایصال ثواب کا فائدہ یہ ہے کہ جس کے لیے ایصال ثواب کیا جائے اس کے کمالات خود اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوں گے۔''

بری صحبت اور حرام مال کا انجام:

فرمایا: ''بلید لوگوں کی صحبت اور حرام مال کھانے سے انسان کی طبیعت میں بلادت وغلاظت پیدا ہوتی ہے۔''

روح اور جسم کا تقاضا:

فرمایا: ''روح اور جسم دونوں الگ ہیں اور دونوں کے تقاضے بھی بالکل الگ ہیں، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بیک وقت اس کی روح اور جسم دونوں پیاسے ہوتے ہیں اور بروقت ان دونوں تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے، روح کی پیاس اذان اور تکبیر سے بجھتی ہے جب کہ جسم کی پیاس ماں کے دودھ سے پوری ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر انسان کو اپنی پوری زندگی میں روح اور جسم کے درمیان اس توازن کو برقرار رکھنا چاہیے، اگر جسم کا تقاضا پورا نہ کیا تو وہ لاغر ہو جائے گا اور بیماریوں کا شکار ہوگا، اسی طرح اگر روح کی فکر نہ کی گئی تو بری چیزیں اچھی معلوم ہوں گی اور آدمی غلط رخ کی طرف چلا جائے گا۔''

حسد کے مفاسد:

فرمایا: ''حسد تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جو آدمی اس بیماری کا شکار ہو جائے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور ہر وقت پریشانی واُلجھن میں رہتا ہے، یہی وہ مہلک مرض ہے جس نے ابلیس کو ملعون و مردود بنایا اور اسے جنت سے باہر نکال دیا۔ حاسد اپنے حسد سے دوسروں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خود برباد ہوتا جاتا ہے، اس کے برعکس جس سے حسد کیا جاتا ہے وہ مزید ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ دھیان رہے کہ اگر کسی کے اندر محض خیال کی حد تک حسد کی کیفیت پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں، تاہم ضروری ہے کہ آدمی ایسے خیالات کو اپنے ذہن و دماغ میں اکٹھا نہ کرے بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ دور کرنے کی کوشش کرے۔''

ایمان کا تقاضا:

فرمایا: "إن علو الهمة من الإيمان" (بے شک بلند ہمتی ایمان کا حصہ ہے) اگر کوئی صاحب ایمان بلند ہمتی کے ساتھ صحیح اور حلال راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ بتدریج ترقی کرتا چلا جائے گا لیکن اگر وہ صراط مستقیم سے ہٹ کر بے راہ روی کا راستہ اپنائے گا تو دنیا وآخرت دونوں جگہ ناکام ہوگا، اس لیے ایمانی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر زندگی گذارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔''

کامیابی کی شرط:

فرمایا: ''کامیابی کے لیے شرط ہے کہ آدمی ہر کام اللہ کے لیے کرنے والا بن جائے اور پوری جاں فشانی کے ساتھ عمل کرے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ صفت احسان کے ساتھ کام کرنے والوں کے لیے راستے ضرور کھولتا ہے۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 18 ⚜ October 2026 ⚜ Issue: 10

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش

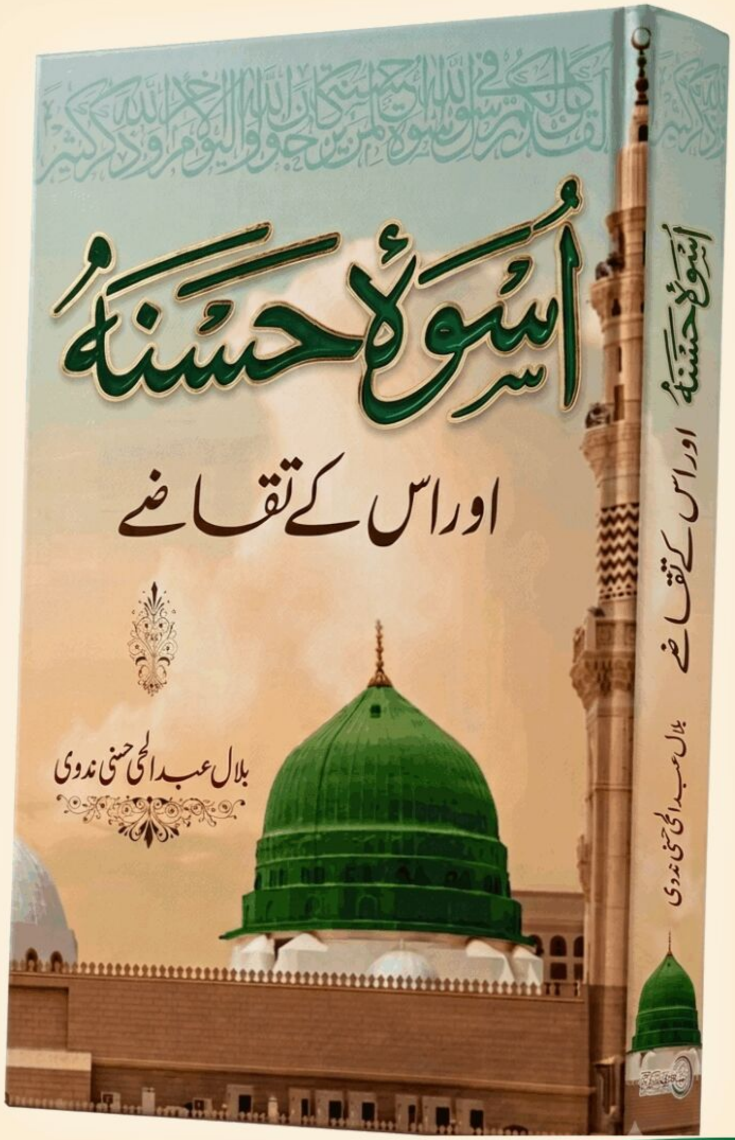

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)